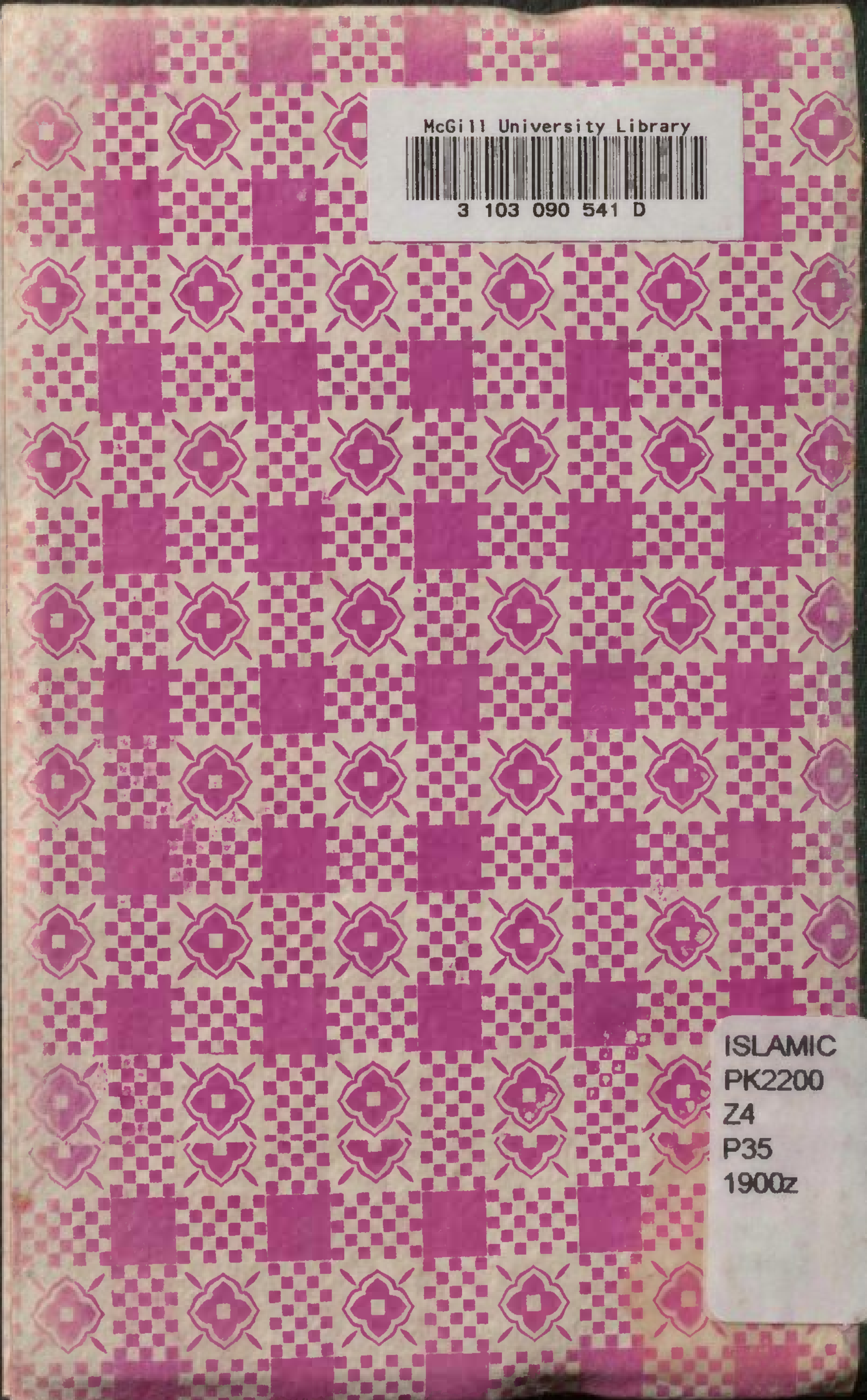

McGill University Library
3 103 090 541 D

ISLAMIC
PK2200
Z4
P35
1900z

IN DOMINO CONFIDO
GRANDESCUNT AUCTA LABORE
MG7 .Z82p
McGill
University
Libraries
Islamic Studies Library
82251

پاکستان

پاکِستان

/ Pākistān

// Ziyā Sarhadī

ضیا سرحدی

MG7
.Z82p

بنام اتاترک مرحُوم!

تم زندہ جاوید ہو!

تمہاری رُوح کو ہر وقت مَیں اپنے قریب پاتا ہوں۔ تمہاری رُوح نے مجھ کو جو سبق پڑھایا ہے، یاد ہے! اُس درسِ بے بہا کا معاوضہ کیا دوں؟ کاش! تمہارے عسکر کے ساتھ ساتھ جنگِ آزادی میں میری جان بھی کام آجاتی! لیکن مجھے یقین ہے، پھر بھی حق ادا نہ ہوتا!

بہت سوچنے کے بعد یہ کتاب تمہارے حضور میں پیش کر رہا ہوں۔ اِسے قبول کرنا۔ یہ میری دائمی محبّت کا پیام ہے۔ یہ میرا اور میرے مُسلم ہم قوموں کا مستقبل ہے۔

ضیاؔ

دیباچہ

اِس تصنیف کو صرف ڈرامہ ہی سمجھکر نہ پڑھئیگا۔ یہ تصنیف ہندی مُسلمانوں کے نام ایک پیام ہے۔ اِس کو ایک بار نہیں کئی بار پڑھئیگا۔ ایک بار پڑھنے سے بہت سی باریکیوں کو آپ بغور نہ سوچ سکیں گے۔ بار بار جب آپ پڑھیں گے جبھی کِسی فیصلہ کُن نتیجے پر پہنچ سکیں گے۔

یہ کتاب کِسی اشتعال، کِسی بغض، کِسی تنفّر کا نتیجہ نہیں، اپنی معلومات اور اپنے عقائد کے لحاظ سے مَیں نے ہندی مُسلمانوں کے سلمنے ایک تجویز کو دُہرایا ہے عمل کرنا نہ کرنا پڑھنے والوں پر منحصر ہے۔

بہت سے اِس کو پڑھ کر مجھ سے متفق الرّائے بھی ہونگے۔ اور بُہتوں کو مجھ سے اِختلاف رائے بھی ہوگا۔ لیکن یہ امر غور طلب ضرور ہے کہ مجھ سے کِسی کو اختلاف کیوں ہو؟ مَیں مسلمانوں کو شجاع اور جفاکش دیکھنا چاہتا ہوں۔ مَیں حاشا و کلّا یہ گوارا نہیں کر سکتا، کہ مسلمان اَہِنسا میں مبتلا ہوں۔

شخصی تحفّظ اِنسان کی فطرت میں شامِل ہے۔ اور اِنسان کبھی اپنی فطرت کے

82251

خلاف نہیں چل سکتا۔

دنیا میں اکثر اِنسان فطری طور پر دوسروں کے لئے مُضر ثابت ہوتے ہیں، ایسے لوگوں سے بچنے کی کیا تدبیر ہے؟

کوئی جنگ آخری جنگ نہیں ہو سکتی۔ ہر جنگ ختم ہو جاتی ہے۔ اور پھر کچھ عرصے کے بعد نئی وجوہاتِ جنگ ظہور میں آتی ہیں۔ جنگ ایک ایسی زنجیر ہے۔ جو اِنسان کے سلسلۂ حیات سے وابستہ ہے۔ جب تک دنیا قائم ہے، جنگ بھی قائم رہے گی۔ جنگ اکثر سماج کی اِصلاح بھی کرتی ہے۔

جنگ صرف توپ اور بندوق سے نہیں ہوتی۔ اور جنگ ہی صرف تشدّد نہیں تشدّد کی بہت سی اقسام ہیں۔ اَہنسا کے پرچارک شاید اِس حقیقت سے ناآشنا ہیں، کہ اپنا فلسفہ دوسروں کی تہذیب و معاشرت میں ٹھونس کر وہ بھی ایک قسم کا تشدّد کر رہے ہیں۔ یہ سب سے بڑا تشدّد ہے۔ کہ اِنسان فطرت کے خلاف چلنے پر مجبور کیا جائے۔

اَہنسا اگر ہماری عادات میں شامل ہو گیا، تو ایسی کمزوریوں کا باعث ہو گا۔ جن کو صدیوں تک ہم روئیں گے۔ ایک اِنسان جنگل میں سفر کرتا ہے۔ اُسے ہزار طرح کی مہلک اشیاء ملتی ہیں۔ وہ اُنہیں مار ڈالتا ہے۔ ورنہ جینا محال ہو جائے، اِسی طرح دنیا بھی ایک جنگل ہے۔ اِنسانی جنگل، یہاں طرح طرح کے مہلک اِنسان موجود ہیں۔ اُن سے بچاؤ بہت ضروری ہے۔

ایک ایڈیٹر اپنے اخبار کے آڑ میں تشدد کرتا ہے۔ ایک تجار اپنی تجارت کے آڑ میں۔ ایک سیاستدان خود گفتہ اعمالِ نیک کے آڑ میں۔ فوجی جسم کو گھائل کرتا ہے۔ یہ لوگ جسم کو گھائل کئے بغیر رُوحوں کو گھائل کر دیتے ہیں۔ صداقت کو گھائل کر دیتے ہیں۔ اِنسانیت کو گھائل کر دیتے ہیں۔ قوموں کو گھائل کر دیتے ہیں" اَہنسا ایسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر مسلم قوم اپنی کمزوریوں میں اضافہ کر لے گی۔"

....

وہ قوم بہت کم ترقی کرتی ہے، جس کی عورتیں مردوں کا ہاتھ نہ بٹائیں۔ ہندی مسلم عورتیں فالج کے مریض کی طرح بے حس و حرکت ہوئی جا رہی ہیں، اِس ٹریجیڈی کے باعث ہم مرد ہیں۔ ہم مرد مُوردِ الزام ہیں۔ ہم اپنی عورتوں کی صحیح تربیت نہیں کرتے۔ اور جس دِن تک ہماری عورتوں میں علم، ہنر، شجاعت اور جفاکشی نہ پیدا ہوگی، اُس دن تک ہماری قومی ترقی معدوم رہے گی۔ اِس تصنیف میں اِسی امر پر مَیں نے زور دیا ہے۔ سلمیٰ کا کردار ہندی مسلم عورتوں کے لئے ایک درس ہے۔

....

"پاکستان ہمارا قومی حق ہے۔ گو اِس کو محسوس کرنے میں ہم نے دیر کی ہے"

یہ کہنا جائز ہی ہوگا۔ کہ اُردو ڈرامے میں ہنوز بہت سی کمزوریاں ہیں۔ سب سے

بڑی کمزوری جو مَیں نے محسوس کی ہے، یہ ہے! کہ ہمارے ڈرامے اِصلاحِ قوم کی بنیادوں پر تعمیر نہیں کئے جاتے۔

کوشش یہ ہونی چاہیئے، کہ ہمارے ڈرامے زبان ہی کے لحاظ سے نہیں، بلکہ تخیّل اور فلسفے کے لحاظ سے بھی عروج کی طرف جائیں۔ اور بالخصوص آجکل اُردو ادب کو ”مسائلِ حاضرہ“ کے لئے وقف ہو جانا چاہیئے۔ وقت کا تقاضا یہ نہیں، کہ ہم رُومان و محبّت ہی میں گھرے رہیں۔ رُومان و محبّت آرام کرسیوں کو زیب دیتے ہیں۔ اور فی زمانہ آرام کرسی ہمارے لئے تختۂ مرگ ہے۔ اُردو ڈرامے کو بامِ ارتقا تک پہنچانا ہو، تو غیر ملکی ڈراموں کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔ ذوقِ عِلم بہت ضروری ہے۔

ڈرامہ انفرادی طور پر جامع ادب ہے۔ عام اِصطلاح میں اِسے دوشیزۂ ادب کی آنکھیں کہنا بھی جائز ہے۔ آنکھیں جسم کی حاجتِ اوّل ہیں۔ ناولوں میں تصنّع کے اِمکان ہیں۔ ڈرامہ فطرتِ اِنسانی کو بیان کرنے میں زیادہ سچ کہتا ہے۔ اگر ڈرامے میں تصنّع کا عنصر غالب ہو جائے، تو وہ فرضی ڈرامہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

پاکستان میں مَیں نے ڈرامے کے بعض اصول دیدہ و دانستہ نظر انداز کئے ہیں، اس کے لئے مَیں اپنے ضمیر سے بار بار معافی مانگتا ہوں۔

……

زبان کے معنی ہیں مافی الضمیر سے دوسروں کو آگاہ کرنا۔ مجھے اِس سے بحث نہیں، کہ اُردو لکھنؤ میں اچھی لکھی جاتی ہے، لاہور میں یا دِلّی میں، لیکن میرا یہ عقیدہ اٹل ہے۔ کہ ایسے بُغض و عناد کو (جو ہمارے ادبی حلقوں میں پائے جاتے ہیں،) قومی ادب سے کچھ واسطہ نہ ہونا چاہیئے۔ اُردو ہماری قومی زبان ہے۔ اور بحیثیت ایک قوم کے اِس کی ترقی دیکھنا ہم پر لازم ہے۔

دنیا کی بہت کم زبانیں اِنفرادی طور پر جامع اور خود مختار کہی جا سکتی ہیں — زبان کا دامن بہت وسیع ہونا چاہیئے۔ اگر ضرورت محسوس ہو، تو دوسری زبان کے الفاظ اِستعمال کرنے سے کبھی گریز نہ کرنا چاہیئے۔ علومِ جدیدہ میں بہت سی ایسی باتیں ہیں، جو اُردو میں نہیں پائی جاتیں۔ اُن باتوں کو اپنے حلقۂ زبان میں لے لینا اشد ضروری ہے۔

اپنے ہمعصر اور ہم عمر نوجوان ادبا سے میری ایک درخواست ہے! کہ اُردو ہماری قومی زبان ہے۔ اور اِس کا تحفظ ہمارا قومی فرض ہے۔ اساتذہ کی بعض مراسم مہلک ہیں۔ پُرانے جھگڑے اب رُوپوش ہو جانے چاہئیں۔ جب تک سیاسی مسائل حل نہ ہو لیں، کسی وجہ سے بھی ہم میں تفریق نہ ہونے پائے بعد کی باتیں بعد کو دیکھی جائیں گی۔ ایسے تنازعات کو خارج بھی نہ ہونا چاہیئے! مختلف “SCHOOL OF THOUGHTS.” کا ہونا ترقی کی دلیل ہے۔

لیکن آج نہیں، کابل آزادی حاصل کرنے کے بعد۔ انگریزوں کی جو سب سے بڑی خوبی مجھے بھائی ہے۔ یہ ہے، کہ آج مختلف عقائد کے لوگ یک جا ہو کر قومی کشتی کو کھے رہے ہیں۔

ضیا

منظرِ اوّل

خلدِ بریں!

"رنگین اور خوشبودار پھولوں سے سجے ہوئے ایک کشادہ تخت پر قائدِ اعظم اور اتاترک نقرئی رنگ کی قبائیں پہنے جلوہ افروز ہیں۔

رُوح افزا ہوائیں چل رہی ہیں۔ شمالی ہوائیں نغمہ بدوش ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ دُور کہیں کوئی حُور گا رہی ہے۔ تخت کے سامنے کانگریسی سر جھکائے کھڑا ہے۔ اُس کی دونوں

طرف دو فرشتے ہیں۔ نگہبان فرشتے!"

اتاترک۔ تمہیں یہاں پاکر مجھ کو جتنی مسرت ہوئی ہے۔ بیان کی حدود سے بہت پرے ہے۔

کانگریسی۔ آپ جانتے ہی ہونگے، کہ میں نے کتابِ مقدس کی تفسیر لکھی تھی! اور سچ بھی یہی ہے۔ کہ دُنیا میں مجھ سے وہی ایک صالح کام ہُوا تھا۔ اُسی کے صلے میں کچھ دیر یہاں آنے کی اِجازت مِل گئی ہے۔ اتاترک! اپنی حرّیت پسندی کا صدقہ مجھکو سہارا دو!

قائدِ اعظم۔ (یقین اور متانت کیساتھ) احکامِ الٰہی کانگریس کی تحریکِ آزادی نہیں، جس کا باطن بانس کی طرح خالی ہو۔

کانگریسی۔ قائدِ اعظم! دوسرے تو مجھے حقارت سے دیکھتے ہی ہیں، اور اُس نشتر کو میں کسی نہ کسی طرح سہہ بھی لیتا ہوں۔ لیکن اپنی ہی نظر میں حقیر ہو جانا تمام آلام کا مخزن ہے۔ میری قوتِ برداشت دم توڑ رہی ہے۔ اور میں بالکل عاجز ہو چکا ہوں۔

قائدِ اعظم۔ وہاں تمہارے دوسرے دوست احباب بھی تو ہیں۔ وہ تمہیں دِلاسا نہیں دیتے؟

کانگریسی۔ نہ پوچھو قائدِ اعظم! اب تو وہ بھی مجھے طعنے دیتے ہیں۔

قائدِ اعظم ۔ تم نے اپنے حق میں خود ہی کانٹے بوئے ہیں ۔

کانگریسی ۔۔ بجا ہے، غیروں کے لئے مسلمانوں کی حق تلفی زیادہ باعثِ گناہ نہ تھی ۔ مَیں نے مسلمان ہو کر مسلم حقوق سے چشم پوشی کی تھی ۔ اِسے گناہ کہنا گناہ کی توہین ہے ۔

قائدِ اعظم ۔ حق و باطل کو سمجھنے لگے ہو ۔

کانگریسی ۔ قائدِ اعظم! کانگریسی حکمتِ عملی کی پہچان مَیں نے کر لی ہے ۔ آندھی کے عقائد پر بھی اب مجھ کو ایمان نہیں رہا ۔ اور ببانگِ دہل اعلان کرتا ہوں ۔ کہ ”اہنسا“ محض مسلم شجاعت کو ہلاک کر دینے کی ایک تجویز تھی ’ ”دھرم“ اور ”سچ“ کی آڑ میں سیاسی شطرنج کھیلا جا رہا تھا ۔

اتاترک ۔ تم تحریکِ پاکستان کے مخالف کیوں تھے ؟

کانگریسی ۔ ”ادارۂ عالیہ“ کی ہدایت یہی تھی ۔

اتاترک ۔ لیکن صدرِ کانگریس تو تمہیں تھے !

قائدِ اعظم ۔ مسلم حلقے میں صدرِ کانگریس واردہا فیکٹری کے گرامو فون کو کہتے ہیں ۔

اتاترک ۔ اور ہندو حلقے میں ؟

قائدِ اعظم ۔ بانسری ! جو ہندوؤں کا مذہبی ساز ہے ۔ لیکن اُسی پر سیاسی

گیت بھی بجائے جاتے ہیں ۔

اتاترک ۔ سیاسی گیت ؟

قائدِاعظم ۔ "وندے ماترم" پہلا گیت ۔ اور "آندھی کی جے" دوسرا گیت ۔

اتاترک ۔ وندے ماترم نہ تو وہ زبان ہے جو عام ہندوستانی بولتے ہیں، نہ اُردو ہے، پھر یہ کیا ہے ؟

قائدِاعظم ۔ یہ شُدھ سنسکرت ہے ۔

اتاترک ۔ اِس کے معنی کیا ہیں ؟

قائدِاعظم ۔ اِس کے معنی بھارت ماتا اور بھارت ماتا کے معنی ہندوانہ فلسفہ، اور ہندوانہ فلسفے کے معنی ہندو راج، ہندو راج کے معنی مسٹر آندھی، مسٹر آندھی کے معنی کانگریس، اور کانگریس کے معنی بھائی پٹیل اینڈ کمپنی ـــــ میں نے جو کچھ کہا ہے، اِس میں جھوٹ کہاں کہاں غالب ہے؟

کانگریسی ۔ آپ نے جو کچھ کہا ہے درست ہے ۔

"عین اُسی وقت اقبال گاتے اور جھومتے ہوئے داخل ہوتے ہیں"

اقبال ۔ مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

اتاترک ۔ سُن رہے ہو؟

کانگریسی ۔ "شش و پنج میں" اگر اقبال کا فلسفہ صحیح ہے، تو پھر تحریک پاکستان

قابلِ اعتراض ہے۔ مجھ کو سمجھنا ہے۔ اللہ سمجھائے۔ صرف سمجھنے کے لئے میں یہ بحث چھیڑنا چاہتا ہوں۔ ورنہ تائیدِ کانگریس مجھے مقصود نہیں! حاشا وکلّا!

قائدِ اعظم ۔ "تدبر بھری آواز اور لہجے میں" تحریکِ پاکستان کا مدعا ہندی مسلم قوم کے لئے ایک ایسا گھر تعمیر کرنا ہے جس میں ہندی مسلمان آزادی کے ساتھ اپنی موجودہ اور آئندہ نسلوں کی پرورش کر سکیں۔ پرورش سے میری مراد اناج کھا کر پیٹ بھر لینا ہی نہیں۔ اخلاقی، معاشرتی، علمی اور اقتصادی بہبودی بھی زیرِ نظر ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ اخلاقی معاشرتی، علمی اور اقتصادی راہ میں ہندو مسلم اتحاد کبھی نہ ہوگا۔ اُس کی وجہ یہ ہے۔ کہ نہ ہندو مسلمانوں کے لئے اپنا دھرم چھوڑ سکتے ہیں۔ اور نہ مسلم قوم موجودہ سیاسی فلسفوں کو اسلامی حقائق پر ترجیح دے سکتی ہے۔ قرآن چھوڑ کر ہم کانگریسی لیڈر کی سوانح حیات پر ایمان نہیں لا سکتے۔ حدیث چھوڑ کر ہم ہر جن اخبار کی تلقین پر عمل نہیں کر سکتے۔

"آواز میں درد اور جوش بڑھتا جا رہا ہے۔"

بعض لوگ بصد افتخار یہ اعلان کرتے ہیں۔ کہ مذہب اور سیاست

دو مختلف چیزیں ہیں۔ مجھے اُن لوگوں پر ہنسی آتی ہے۔ کہ وہ کیسے کج فہم ہیں، اور یہ حقیقت سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کہ ہندوستان کو انگلستان، فرانس یا جرمنی سے کچھ نسبت نہیں، اُن کا فلسفہ اور ہے۔ ہمارا فلسفہ اور ہے۔ اُن کا تمدّن و معاشرت اور، ہمارا تمدن و معاشرت اور۔ اُنہوں نے اگر مذہب اور سیاست کو دو مختلف چیزیں بنایا ہے۔ تو ضروری نہیں، کہ ہندوستان میں بھی یہ ہو سکتا ہے لیکن یہ کہنا اور بھی درست ہوگا۔ کہ یورپ میں بھی مذہب اور سیاست الگ الگ نہیں۔

سیاست مغربی اقوام کا موجودہ مذہب ہے۔ اور اگلا مذہب رُوحانی عیاشی ہو کر رہ گیا ہے۔

"ہم کو اپنے مذاہب کا جتنا احترام ہے، مغربی اُس سے کہیں زیادہ اپنے سیاسی عقائد کا احترام کرتے ہیں" ہندوستانیوں کو چونکہ ہنوز مغربی قِسم کی سیاست نے فتح نہیں کیا۔ اِس لئے ان کے مستقبل کو یکایک سیاسی فلسفوں کی بنیاد پر تعمیر کرنا دانائی نہیں۔

اصولِ اِرتقاء کے لحاظ سے بھی اگر تم اِس مسئلے پر غور کرو، تو اِسی نتیجے پر پہنچو گے، کہ ہندوستانی دماغوں کو بدلنے کے لئے ہنوز

دِن چاہئیں۔ آناً فاناً مذہب کو چھوڑ کر سیاست کا دامن تھام لینا ہندوستانی عوام کے لئے اُسی طرح اَن ہونی ہے جس طرح جرمنی کی ڈکٹیٹری چھوڑ کر ہٹلر کا بنارس میں پان کی دوکان کر لینا۔ یا انگلستان کو فتح کر کے مسٹر گاندھی کو وہاں کا وائسرائے مقرر کر دینا۔

میرا دعوےٰ ہے، ہندوستان میں سیاست کو مذہب پر ترجیح نہیں دی جا سکتی، اور نہ ایک دوسرے سے الگ کئے جا سکتے ہیں۔ یہاں سیاست کو دھرم کے حلقے ہی میں رہنا ہوگا۔ اور جائز بھی یہی ہے۔ دھرم امر ہے۔ سیاست گرگٹ کی طرح آئے دِن رنگ بدلتی ہے۔ مغربی اقوام کی موجودہ قلابازیاں دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ دنیا گھوم پھر کر دوبارہ وہیں پہنچ گئی ہے جہاں سے ارتقاء کی تلاش میں چلی تھی۔

اقبال ”بات کاٹ کر!“ قائدِ اعظم! یہ سیدھی سادی عقل کے آدمی ہیں۔ اِن کو سیدھی سادی باتوں میں سمجھائیے۔ کہ تحریکِ پاکستان کا مقصد کیا ہے؟

قائدِ اعظم۔ تحریکِ پاکستان کو سیاست سے کچھ واسطہ نہیں۔ یہ سو فیصدی مذہبی تحریک ہے۔ بالکل اُسی طرح جس طرح کانگریس سو فیصدی

ہندو راج کی پرچارک ہے۔

اتاترک۔ "تعجب کے ساتھ" لیکن کانگریسی تو اِس بات کو تسلیم نہیں کرتے، اخباروں سے تو مجھ کو یہی معلوم ہوا تھا۔

قائدِ اعظم۔ مخصوص کانگریسیوں کو بھوجن شالے میں گفتگو کرتے کس نے سُنا ہے؟ "ہندو بھوجن شالے میں غیر ہندو کو جانا منع ہے۔"

اتاترک۔ ہندو سماج کا کچھ خاکہ کھینچ سکتے ہو؟

قائدِ اعظم۔ مَیں جس طرح مسلم سماج کا احترام کرتا ہوں، اُسی طرح ہندو سماج کا احترام بھی میرے لئے واجبی ہے۔ لیکن ہندو سماج کی بعض حرکتیں قابلِ افسوس ضرور ہیں۔ ان میں ذات پات اور اُونچ نیچ کے بکھیڑے اِتنے ہیں، کہ خدا کی پناہ۔ کئی کروڑ ہندو ایسے ہیں، جن کو باقی ہندو چھُونا بھی پاپ سمجھتے ہیں۔ اُس نہ چھُونے لائق طبقے کو یہ لوگ اچھُوت کے نام سے پکارتے ہیں۔ فرقے تو ہم مسلمانوں میں بھی ہیں، لیکن بفضلِ انسانیت ہم ایک دوسرے کو اچھوت نہیں سمجھتے۔

اتاترک۔ کسی بزرگ ہندو نے اچھوت اُدھار کے نام سے ایک تحریک شروع کی تھی۔ سُنا تھا "وہ اچھوتوں میں جاکر رہنے لگا تھا۔" وہ اچھوتوں کو باقی ہندوؤں کے ہمدوش کرنے لگا تھا۔

قائدِاعظم ۔ وہ بھی دراصل ایک سیاسی قلابازی تھی۔ اُس بزرگوار کو ووٹس کم پڑ جانے کا ڈر تھا۔

اتاترک ۔ لیکن ہندو قوم تو خاصی تعلیم یافتہ ہے۔

قائدِاعظم ۔ لگ بھگ ۱۰ فیصدی ہندو تعلیم یافتہ ضرور ہیں۔ لیکن چھوت چھات کے وہ بھی حامی ہیں۔

اتاترک ۔ تو پھر ہندو مسلمان ایسے ہوئے جیسے تاریکی اور روشنی۔

قائدِاعظم ۔ اِسی لئے ہندو مسلم ایک قوم نہیں کہلا سکتے! اور دونوں کی بھلائی بھی اِسی میں ہے۔ کہ الگ الگ اپنے اپنے عقیدوں کے زیرِ اثر جئیں۔

اتاترک ۔ تو کیا اب تک اِن دو قوموں کو اپنے اپنے عقائد کے زیرِ اثر جینے سے منع کیا گیا تھا؟

قائدِاعظم ۔ تاہنوز تو ہمارے عقائد میں زیادہ فرق نہیں آیا۔ لیکن ووٹس ہمارے کم پڑتے ہیں۔ اور کانگریس کی مساعی ہیں، کہ وہ ہمارے مستقبل کو جمہوریت کے بہانے ”ووٹ“ کی قربان گاہ پر چڑھا دے۔ اگر یہ مساعی فاتح ہو گئیں، تو بہت ممکن ہے۔ کہ آئندہ صدی ہی میں اسمبلی میں نماز کے لئے بھی ووٹس لئے جائیں۔

اگر جواباً آپ یہ کہیں، کہ یہ نہ ہو سکیگا۔ مسلم شجاعت اُس وقت محافظ

کے فرائض انجام دے گی۔ تو مَیں عرض کرونگا۔ کہ اِس امر پر ذرا اُس "پٹھان لیڈر" سے بحث کر لیجئے، "جو اُہنسا" کو رسولِ اکرمؐ اور صلاح الدینؒ کی اِنصاف جُو لڑائیوں سے زیادہ مقدّس ثابت کرنے کی سعی فرما رہا ہے۔

کانگریسی۔ مَیں تائید کرتا ہوں! کانگریسی فسطائی اور نازیوں کے ہمعصر ہی نہیں، ہم مشرب وہم عقیدہ بھی ہیں۔ لیکن اِقبال کا فلسفہ ہنوز میری سمجھ میں نہیں آیا۔

اِقبال۔ میرا فلسفہ، فقیر اور گدائے حجاز کا فلسفہ، حُبِّ اِسلام اور دنیا کے تمام مسلمانوں کا واحد مورچہ! جسے یاروں نے فرقہ آفرینی اور فرقہ داری کے نام سے پکارا ہے ——! اگرچہ میرے فلسفہ کے لئے یہ نام نہایت موزوں ہیں۔ بلکہ میرے فلسفہ کے نام ہیں ہی یہی۔ مگر جن جذبات کے تحت مجھ پر الزام لگایا جاتا ہے۔ اُس پر مجھے اعتراض ہے۔

آجکل کے تمام مہذب ممالک پر نگاہ دوڑاؤ، وہاں کیا ہو رہا ہے؟ "نیشنل ازم" تہذیبِ حاضرہ کی بنیادی اِینٹ ہے۔ اِنسان تو ہیں ہی لیکن ان ممالک کے اسپ وخر بھی نیشنل اسٹ ہیں۔ نیشنل ازم آجکل کا جائز غرور ہے۔ مسلمان اگر پیدائش پر بچوّں کے کانوں میں بانگ دیتے ہیں، تو موجودہ جرمنی میں "ہیل ہٹلر" سے ابتدا ہوتی ہے ۔ اور

"جان بل" پکارتا ہے۔ گاڈ سیو دی کنگ! یہ سب کیا ہے؟ فرقہ آفرینی نہیں؟ فرقہ داری نہیں؟

ایک قوم بھی تو ایک فرقہ ہی ہے ـــ! مَیں مسلم قوم کا ایک فرد ہوں، اور اِسی لئے مسلم نیشنل ازم کا حامی ہوں۔ اور اپنے عقائد کو سو فیصدی پاکیزہ سمجھتا ہوں۔ جو دوست معترض ہیں اُن کیلئے میری رائے یہی ہو سکتی ہے۔ کہ وہ مسلم مورچے کو مضبوط دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے۔ وہ چاہتے ہیں۔ کہ ہندی مسلم آلہ فرضی جمہوریت کا ایک ادنیٰ اور کم ضروری پرزہ ہو کر رہ جائے۔

" کانگریسی جھکا ہُوا سر اُٹھا کر اقبال کو بنظرِ احترام دیکھتا ہے، اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے ہیں۔ وقتِ ملاقات پُورا ہو جاتا ہے، نگہبان فرشتے کانگریسی کو لے جاتے ہیں۔"

اتاترک ۔ مجھے اِن سے دِلی ہمدردی ہے۔

قائدِ اعظم ۔ مجھے خود افسوس ہے۔ لیکن احکامِ الٰہی میں ترمیم کا مشورہ! معاذ اللہ!

اقبال ۔ "میں پر زور دیکر" مَیں عرض کروں گا! اپنے محبوب اپنے اللہ سے ہی میں کہوں گا

قائدِ اعظم ۔ ایسی جرأت تم کیوں کرو گے؟

اقبال ۔ مَیں گستاخیوں کا عادی ہوں۔ میں شاعر ہوں۔ (پردہ)

منظر دوم

خواب گاہ۔ صبح نو دس بجے کا وقت ہے۔

”نئی وضع کی سج دھج ۔ ایک کشادہ مسہری ۔ دیواروں میں قدرتی مناظر کی دلکش و دلفریب تصاویر آویزاں ہیں قیمتی صوفے، میزیں اور خوشنما آرام کرسیاں اپنی اپنی جگہ لگی ہوئی ہیں۔ باریک ریشمی پردے دروازوں اور کھڑکیوں پر زیب دے رہے ہیں۔ ایک صوفے میں انور اور مسز انور سلمیٰ بیٹھے ہوئے

نظر آتے ہیں۔ آنور ایک صحیح قدو قامت کا نوجوان ہے۔ کشادہ پیشانی، کسی قدر گھنگھریالے بال، پُرکشش بڑی بڑی آنکھیں، قابلِ رشک ناک، باریک اور خوبصورت ہونٹ، خوبصورتی اور صنفی کشش کے علاوہ آنور کا چہرہ تدبر، اُولوالعزمی اور سنجیدگی کا بھی حامل ہے۔ سلمیٰ شوہر ہی کی طرح اپنی شکل وصورت میں قابلِ رشک ہے۔ سیاہ و دراز گیسو، گندمی رنگ کا چہرہ پُربہار آنکھیں، میٹھی اور دلنشین آواز، بعض بعض ایسی ادائیں جن سے وہ خود تو بالکل بے نیاز ہے، لیکن دوسروں میں نیازمندی پیدا کر دیتی ہے، خوش رُو کلائیاں، ایک کلائی پر سیاہ موم کی بنی ہوئی باریک چوڑیاں، خوبصورت اُنگلیوں پر دو خوبصورت انگوٹھیاں، کانوں میں نئی وضع کے باریک سیاہ و پیچدار آبیرِ زنگز، سفید و شفاف چوڑی دار پاجامہ، سبز رنگ کی قمیص، اُس پر باریک وائل کا زردی مائل دوپٹہ۔ کچھ کچھ گیسو اِدھر اُدھر سے بکھر کر سلمیٰ کے چہرے پر آ رہے ہیں۔ بالوں کا یوں چہرے پر بکھر جانا تکمیلِ حُسن ہے۔ یہ نعمتِ عظمیٰ ہے۔ اِس سے بڑا زلزلہ دلِ انساں کے لئے اور کوئی نہیں۔ یہ فطرت کا آخری

شاہکار ہے۔"

انور۔ بہت لطیف خواب تھا۔۔۔ اتا ترک کو دیکھ کر میری ہمت دُگنی اور قوّتِ عمل چوگنی ہو رہی ہے۔

سلمیٰ۔ دِن بھر یہی دُھن رہتی ہے جبھی تو راتوں کو اُسی طرح کے خواب بھی آتے ہیں۔ آج قائدِ اعظم، کانگریسی، اتا ترک اور اقبالؔ کو دیکھا ہے۔ کل رات جان بل، گاندھی اور کسی نائٹ کو دیکھئے گا۔

انور۔ خدا نہ کرے، میری راتوں کا نصیب اِس قدر تاریک ہو۔

سلمیٰ۔ لیکن میری عرض ہے۔ آخر کب تک آپ اِس طرح کی اُلجھنوں میں پڑے رہیں گے؟ شخصی آرام بھی تو ضروری شے ہے۔ نہ آپ وقت پر کھاتے ہیں نہ آپ وقت پر سوتے ہیں۔ صحت آپ کی ڈھلنے لگی ہے۔ آخر یہ قومیّت بھی کیسی قومیّت ہے؟ جو آپ کے شخصی مستقبل کو تاریک کر دینے پر مُصر ہے؟

انور۔ جس قومیّت کا مَیں حامی ہوں، وہ اِسلام ہے۔ موجودہ مغربی اقوام کی بربریت نہیں۔ اور مجھے یقین کامل ہے۔ کہ تم مجھ کو اِسلام دوستی سے روکنے کی جرأت کبھی نہ کرو گی۔

سلمیٰ۔ اِسلام کا درس یہ تو نہیں کہ اِنسان خود سے بیگانہ ہو جائے۔ آپ تو وارفتہ سے ہو گئے ہیں۔ آپ کو آرام کی ضرورت ہے۔

انور ۔ جنگ کے ایّام میں فوجیوں پر تلاشِ راحت حرام ہے۔

سلمیٰ ۔ لیکن ہنوز جنگ تو نہیں چھڑی؟

انور ۔ یہ کہو، کہ ہماری جنگ ختم نہیں ہوئی۔

سلمیٰ ۔ کیسے؟

انور ۔ جب سے ہم وجود میں آئے ہیں۔ اعدا ہمیں مٹا دینے کی مساعی کر رہے ہیں۔ اور ہمارا بایں ہمہ قائم رہنا مسلم الولعزمی کی دلیل ہے۔ ہم لڑتے آئے ہیں۔ لڑتے رہیں گے، ہماری لڑائی دوسروں کی طرح ذاتی اغراض کے لئے ہی نہیں۔ بنی نوعِ انسان کے دائمی سکون کے لئے بھی ہے۔

سلمیٰ ۔ آپ مبتلائے وفورِ شوق ہیں۔

انور ۔ مَیں تم سے بھی یہی اُمید کرتا ہوں۔ مَیں تمہارے کاندھے پر بھی بندوق دیکھنے کا متمنّی ہوں۔

سلمیٰ ۔ دوسروں کی جانیں لینے کے لئے؟

انور ۔ اپنے تحفظ کے لئے! سلمیٰ! عہدِ گزشتہ کی خواتین کو یاد کرو۔ فاطمہ کی کہانی دہراؤ۔ وہ الولعزم فاطمہ، جس نے جنگِ طرابلس میں غازیوں کے لئے اپنی جان دیدی۔ اُن خواتین کو یاد کرو، جو عسکرِ نبی کے ساتھ سر بکف عرصۂ جنگ میں نظر آتی تھیں۔

سلمیٰ ۔ وقت اور فلسفہ دونوں بدل چکے ہیں ۔

انور ۔ تم کمبخت شہری مسلم عورتوں کا نظریہ کس قدر قابلِ افسوس ہے ۔ پندرہ سال بچپن اور قابلِ نفریں حصولِ تعلیم میں کھو دیتی ہو! "تعلیم لازم ہے ۔ مگر موجودہ طرزِ تعلیم اور نصابِ تعلیم میرے زاویہ خیال سے قابلِ اعتراض ہے ۔ اور اس کی زیادہ تر ذمہ داری حکومت پہ ہے ۔"

پھر شباب .... اور بیاہ ۔ "بیاہ کر کے تم سمجھتی ہو، کہ راہ طے ہو گئی ۔ مقصدِ حیات پا لیا ۔" بیاہ کے بعد باقی ماندہ زندگی کا آدھا حصہ نظر فریب لباس کی کھوج، اُس کے سینے پرونے پہننے اور سنگھار میز کے سامنے آراستگی و آرائش میں گزر جاتا ہے پھر بڑھاپا ۔ سونے کھانے پینے باتوں اور . . . . اور . . . میں جو وقت کٹتا ہے ۔ اُس پر تم نے کبھی غور کیا ہے ؟ کج فہمو! بمشکل آدمی کو تمام عمر میں قدرتی لحاظ سے بھی تین چار سال صحیح عمل کے لئے ملتے ہیں، سادگی اور وقت کی قدر سے تم اِس قدر دُور ہو، جس قدر شروع کے مسلمان کفر سے دُور تھے ۔ اِس اعتراض سے میری منشا حاشا و کلا یہ نہیں ہے کہ تم مذاقِ سلیم ترک کر دو میں تمہیں حسین ترین دیکھنا چاہتا ہوں آرائشِ حُسن لازمی ہے، لازمی ہے، لازمی ہے ۔

لیکن جو چیز حد سی بڑھ جاتی ہی وبالِ جان ہو جاتی ہَے مغربیّت کی طرف مائل ہوتی ہو تو ناخن پالش کی دوکانوں پر دھاوے بولنا شروع کر دیتی ہو۔ برطانوی ”ایرسٹوکریسی“ بھی تمہارے آگے شرمانے لگتی ہے امریکن دوشیزائیں بھی جھینپ جھینپ جاتی ہیں۔ پیرس کی نازک اندام خواتین بھی شائد چونک جاتی ہوں۔ اور نہیں، تو گلی کوچوں میں تمہارے قابلِ رحم بچّے خدا نہ دکھائے۔ مدراس کے ۳/۴ مُردہ صورت بھکاری غلیظ بچّے بھی تمہارے بچّوں سے کہیں اچھّے ہیں۔

سلمیٰ۔ لیکن اِس کی وجہ افلاس ہے۔

انور۔ افلاس سے زیادہ بے قاعدگی اور بے ترتیبی ہے۔ سوچو، سمجھو، نگاہ پیدا کرو۔ ہندی مسلم قوم تباہیوں میں جو گھِری ہوئی ہے، تو کِس لئے۔ غیروں کے ساتھ ساتھ تم عورتیں بھی موردِ الزام ہو۔

سلمیٰ۔ نشتر چبھو رہے ہیں آپ۔

انور۔ سچ میں تلخی ضرور ہوتی ہے۔ دوا بھی اکثر تلخ ہوتی ہے۔ لیکن اُسی سے صِحت لَوٹتی ہے۔

سلمیٰ۔ ہر بار آپ ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔ آپ میں نام کو بھی شعریت نہیں!

انور۔ ہمیں شاعر چاہئیں بھی نہیں، جو شاعر بن چکے سو بن چکے۔ اُن میں بہت سے قابلِ ستائش بھی ہیں، اور ایسے ویسے بھی ہیں، لیکن آئندہ جو بھی شاعر بننے کی کوشش کریگا، مجرم ہوگا۔

سلمیٰ۔ شاعری خود ساختہ نہیں۔

انور۔ اِنسان عقل اور جذبات کا ترازو ہے۔ عقل کا پلّہ بھاری ہونے پر آتاترک ظہور میں آیا۔ جذبات کا پلّہ بھاری ہونے پر داغ نظر آئے، گل و بلبل کی رٹ لگائے۔ مجھے تو داغ سے آتاترک بہت زیادہ پیارا ہے۔ بلکہ اتاترک ہی پیارا ہے۔

سلمیٰ۔ بہت سے فوجی جنرل بھی شاعر تھے۔

انور۔ بہت سے فوجی جنرل شاعر ہوں گے۔ مگر بہت سے شاعر فوجی جنرل نہیں ہو سکتے۔

"ملازمہ داخل ہوتی ہے!"

ملازمہ۔ عابد صاحب تشریف لائے ہیں۔

انور۔ اُن سے کہو، چلے آئیں۔

"ملازمہ چلی جاتی ہے۔"

سلمیٰ۔ عابد صاحب بھی آپ ہی کی طرح ہیں۔

"عابد داخل ہوتا ہے۔ یہ ایک جمیل و شکیل نوجوان ہے۔"

عابد۔ السلام علیکم!

سلمیٰ۔ وعلیکم السلام!

انور۔ چلے آؤ!

"عابد انور کے بالمقابل صوفے میں بیٹھ جاتا ہے
سلمیٰ بُکل مارتی ہے۔ عابد انور کو ایک تار
نکال کر دیتا ہے۔"

عابد۔ تار آگیا ہے۔

"انور تار پڑھتا ہے۔ چہرے میں جوش اور مسرت کا ظہور"

انور۔ تحریکِ پاکستان شروع ہو گئی ہے۔

سلمیٰ۔ کب سے؟

انور۔ آج رات کے بارہ بجے سے! ہماری جنگِ آزادی شروع ہو جائے گی! لبیک!

عابد۔ کل ہمارے نام بھی احکام جاری ہو جائیں گے۔ اب میں

رخصت چاہتا ہوں۔

"انور اُٹھکر تپاک کے ساتھ عابد سے ہاتھ ملاتا ہے۔"

عابد۔ خدا حافظ!

سلمیٰ۔ خدا حافظ!

انور۔ خدا حافظ!

"عابد چلا جاتا ہے!"

سلمیٰ۔ مجھے آپ کے تحریکِ پاکستان میں شامل ہونے سے اختلاف ہے۔

انور۔ ایک دِن تم خود بخود اپنی شکست تسلیم کر لوگی۔

سلمیٰ۔ مجھے آپ کی صحت کا ڈر ہے۔

انور۔ ضمیر کی تڑپ ہر مرض سے زیادہ الم انگیز ہے۔ تمہیں میرے ضمیر کا زیادہ خیال ہونا چاہیئے۔ تم عورت ہو، شائد تمہارے دِل میں خدشے پیدا ہو گئے ہیں۔ تم سمجھ رہی ہو قومیّت محبّت پر غالب آگئی ہے۔ اور یہ محبّت کی شکست ہے۔ اِس لئے عورت کی شکست ہے، تمہاری شکست ہے۔

"سلمیٰ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نِکلتے ہیں۔"

انور۔ تم میرے جذبات کی توہین کر رہی ہو۔

سلمیٰ ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے جُدائی کی گھڑیاں سر پہ کھڑی ہیں ۔

انور ۔ میدانِ جنگ کا بُلاوا باعثِ صد ہزار شکر ہوگا ۔

سلمیٰ ۔ اپنا دِل چِیر کر کس طرح آپ کے سامنے رکھ دوں !

انور ۔ جانتا ہوں مَیں تمہیں بہت عزیز ہوں، اور تُو مجھے بہت عزیز ہے ۔ اِس میں شک کی ذرا بھی گنجائش نہیں ۔ اور اگر تُو بنظرِ غور دیکھے، تو تجھے یقین ہو جائیگا ۔ کہ تیرا ہی تحفّظ ۔ مجھے مقصود ہے، تیرا ہی مستقبل خطرے میں ہے ۔ تیرے ہی تمام مسلم ہم قوموں کا مستقبل خطرے میں ہے، تم نہ ہوئے تو اِسلام نہ ہوگا ۔ اِسلام نہ ہُوا، تو تم نہ ہوگے ۔

سلمیٰ ۔ ایک راز ہے، جس کا اِنکشاف اِن حالات میں مَیں ضروری سمجھتی ہوں ۔

انور ۔ وقت کا تقاضا بھی یہی ہے ۔ کہ ہر سچ اور جھوٹ کو عریاں کر دیا جائے ۔

سلمیٰ ۔ چاچا جان آپ سے بہت خفا ہیں ۔

انور ۔ ابّا جان خطاب یافتہ ہیں، سَر ہیں ۔

سلمیٰ۔ میں آپ سے بالکل متّفق ہوں۔ آپ کی اہلیہ ہونے پر میں فخر کرتی ہوں۔ آجتک میں اِس راز کو چھپاتی رہی۔ ڈرتی تھی، کہ چچا جان اور آپ میں خفگی نہ پیدا ہو جائے۔ اِس وقت تک لفظ بہ لفظ اُنہیں کا کہا دُہرا رہی تھی۔

انور۔ مجھے معلوم تھا، کہ ابّا جان کو مجھ سے اختلاف ہے۔ اور بہتر ہُوا، کہ اُنہوں نے میرے عقائد پر مجھ سے بحث نہ کی۔ ورنہ مجھ کو باغیانہ روّیہ اِختیار کرنا پڑتا۔

سلمیٰ۔ وہ سمجھ رہے تھے، کہ میرا اثر آپ پر بہت زیادہ ہے۔ اور مجھے یقین تھا۔ کہ آپ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہیں گے۔ میری دِلی تمنا بھی یہی ہے۔ کہ آپ کے اِرادے اٹل ثابت ہوں، ملاحِ اعظم اگر طوفان کے ڈر سے ہمّت ہار بھی بیٹھے۔ تو آپ اِس کشتی کو کھیے کر ساحلِ مقصود تک پہنچائیں۔ آپ کی طاقت اگر مفقود ہو جائے۔ تو کوئی اور کھیون ہار ظہور میں آئے۔ اور یہ سِلسلہ کبھی نہ ٹُوٹنے پائے۔ ہر فرد "زن و مرد" کے دِل میں شجاعت ہمّت، اِستقلال اور اُلوالعزمی کے چراغ روشن ہوں۔ اور خدا وہ دِن دکھائے، کہ ہم ہِندی مسلم آزاد ہوں، ہر قید ہر

بند ہے۔

"فرطِ انبساط سے بیقرار ہو کر انور سلمیٰ کو بہت زور سے گلے لگاتا ہے، لمحہ بھر کے لئے دونوں کھو جاتے ہیں۔ خاموشی۔"

انور۔ اب تک تم آنکھ مچولی کھیل رہی تھیں؟

سلمیٰ۔ آج بھی آپ نے مجھ کو نہیں پکڑا۔ میں نے خود اپنے آپ کو حق کے سپُرد کر دیا۔ جو بحث روز میرے اور آپ کے درمیان ہوتی تھی، وہ ہندوستانی مجلسِ آئین ساز کے برابر تھی۔ وقت ضائع کرنے کا اچھا خاصہ بہانہ! میری رُوح کو اس سے تکلیف بھی پہنچتی تھی۔ کیونکہ میں جانتی تھی۔ کہ میں آپ کو اور اپنے ضمیر کو بھی دھوکا دے رہی ہوں۔ پر چاچا جان کی ہدایت یہی تھی، اور مجھے گھر میں نفاق پیدا ہو جانے کا خدشہ تھا۔

انور۔ ابراہیم کا باپ آذر تھا۔ بیٹا بت شکن تھا باپ بُت گر تھا۔

"ملازمہ داخل ہوتی ہے۔"

ملازمہ۔ میاں پُوچھ رہے ہیں، کہ اُن کو آپ سے کچھ کام ہے۔ آ سکتے ہیں؟

انور۔ تشریف لے آئیں۔

”ملازمہ جاتی ہے۔ اور کچھ دیر میں انور کا باپ داخل ہوتا ہے۔ اس کی عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان ہے۔ بالوں میں کہیں سفیدی ہے۔ چہرے میں کہیں کہیں جھریاں۔ وضع قطع مغربی“

انور۔ آئیے ابا جان!

باپ۔ مجھے تمہارے ساتھ چند باتیں کرنا ہیں انور!

انور۔ فرمائیے۔

باپ۔ مجھے معلوم ہوا ہے، میری عزت و ناموس کا تمہیں پاس نہیں رہا۔

انور۔ مجھے یقین ہے، میں ناخلف نہیں ہوں۔

باپ۔ تو پھر تحریکِ پاکستان میں تمہاری شرکت کی وجہ کیا ہے؟

انور۔ برطانیہ کا وزیرِ اعظم اپنے بیٹے کو ہمیشہ قومیت کا سبق پڑھاتا ہے۔ آپ صحیح برطانوی ذہنیت کو غلط پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، آپ کیلئے یہ گناہ ہے۔

باپ۔ یہ میری انگریز دوستی پر طنز ہے۔

انور۔ انگریز انگلستان ہی میں دوست ہو سکتے ہیں، ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی ان کے دماغوں کا پارہ چڑھ جاتا ہے

یہاں وہ حاکم ہو کر آتے ہیں، دوست ہو کر نہیں آتے۔

باپ۔ تم جاہل ہو۔

انور۔ تمام انگریز جاہل ہیں۔ تمام وہ لوگ جاہل ہیں، جو دوسروں کی آزادی کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔

باپ۔ آزادی کے معنی تم کیا جانو!

انور۔ آزادی کے معنی بولنے کی آزادی، لکھنے کی آزادی، عقائد کی آزادی، رائے کی آزادی اور ان سب آزادیوں کے معنی اپنا قانون آپ بنانا۔

باپ۔ ڈومینین سٹیٹس تو مل ہی رہا ہے۔

انور۔ ہماری اوّلین اور آخری مانگ پاکستان ہے۔ خدا کی ڈومینین اور اپنے پیدا کردہ سٹیٹس کے ہم قائل ہیں۔

باپ۔ ہندو مسلمان الگ نہیں ہو سکتے۔

انور۔ الگ ہیں ہی، اخلاقاً، مذہباً، معاشرتاً۔ زمین کی تقسیم اگر نیّت صاف ہو تو بہت آسانی کے ساتھ ہو سکتی ہے۔

باپ۔ مگر ہندوستان ہندوؤں کا ہے۔ تم تو باہر سے آئے ہو۔

انور۔ جو باہر سے آئے تھے، وہ مر گئے، چلے گئے، موجودہ مسلمان

یہیں کے مسلمان ہیں۔ اور اِس ملک میں اُن کا بھی کچھ حصّہ ہے، اور اپنا وہی حصّہ ہم مانگتے ہیں۔

باپ۔ یہ تجویز اکبرِ اعظم کے دماغ میں کیوں نہ آئی؟ اورنگ زیب نے تحریکِ پاکستان کیوں نہ شروع کی؟

انور۔ وقت بدل چکا ہے۔ سیاست بدل چکی ہے۔

باپ۔ لیکن یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ کروڑوں اِنسان بے خانماں ہو جائیں، صدیوں کے بنے بنائے گھر چھوڑ کر چلے جائیں۔

انور۔ جو جہاں ہے وہیں رہے گا۔ تبدیلی صرف یہ ہو گی، کہ مسلم مجلس آئین ساز لاہور میں رہیگی۔ اور ہندو مجلس آئین ساز شاید متھرا میں رہے۔ ہندوستانی زمین کے دو حِصّے ہونگے۔ ایک مسلمانوں کا اور ایک ہندوؤں کا۔ جس طرح آج غیر ملکی باشندوں کے حقوق انگریزی ہندوستان میں تسلیم کئے جاتے ہیں۔ اُسی طرح ہندو اور مسلمانوں کے حقوق پاکستان اور ہندو انڈیا میں تسلیم کِئے جائیں گے۔

باپ۔ اِنسانیت کا تقاضا ہے، عظمت اور باہم محبّت۔ لیکن تم اُسے ظلمت کے گڑھے میں دھکیل رہے ہو۔ تم بالشویکوں سے بڑھ کر خوفناک دشمنِ

ارتقا ہو۔

انور۔ باہم محبت اور بڑھیگی، جب ہندو مسلمان اپنی اپنی جگہ مطمئن ہونگے۔ "انسانی فطرت بھی یہی ہے۔" آج دونوں بدحال ہیں۔ اور صرف انگریز ہی اس کی وجہ نہیں۔ لاکھوں مسلمان سُود اور دوسری تجارتی چاپلوسیوں کے ہاتھوں بھی اُجڑے ہیں۔ رہی اِنسانی عظمت! سو اُس کے جواب میں عرض کرونگا، کہ اِس اِنسانی عظمت کے نشے میں کہیں ہم اپنی سُوکھی روٹی بھی نہ کھو بیٹھیں۔ دنیا سے دنیا کی ہی زبان میں گفتگو کرنا ہوگی۔ بم کا جواب تلوار نہیں، بم ہی سے دینا ہوگا۔ آج ہندی مسلم قوم کے حقوق کا تحفظ ہر چیز سے زیادہ اہم ہے۔ بولکلامی فلسفہ سنک ہے۔ سنکی شاعر ہوتے ہیں۔ اور شاعر یا تو اِنسان کو فرشتہ بنا دیتے ہیں، یا حیوان۔ یعنی کبھی عقل سے کام لینے کا مشورہ نہیں دیتے۔ اور ہمیں نہ فرشتہ بننا ہے، نہ حیوان، ہمیں اِنسان رہنا ہے، اور اس کے بعد ہندی مسلمان۔

باپ۔ مَیں تم سے بحث کرنے نہیں آیا، نصیحت کرنے آیا ہوں۔

انور۔ یہ نصیحت نہیں، خطاب کا تحفّظ ہے۔ خود غرضی ہے۔

باپ۔ میری لاکھوں روپے کی تجارت ہندوؤں کی تجارت سے وابستہ ہے۔

انور ۔ اکثر مسلم سرمایہ داروں کی سزا یہی بائیکاٹ ہے۔

باپ ۔ تم بالشویک ہو، تم مسلمانوں کے دشمن ہو، مسلم سرمایہ داری کے خلاف ہو۔

انور ۔ مَیں مسلم عوام کا دوست ہوں، ان کا بہی خواہ ہوں، اور بعض مسلم سرمایہ داروں سے مجھ کو انتہائی نفرت ضرور ہے۔ اِس لئے، کہ وہ نادار مسلمانوں کو بھیک دیتے ہیں، صنعتی کارخانے کھول کر کام نہیں دیتے جس قوم میں بھکاری بہت پائے جائیں، ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس قوم کا ہونا ایک ایکسیڈنٹ ہے۔

باپ ۔ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

انور ۔ جب دلیل نہیں ہوتی، تو بہت سے لوگ تشدّد پر بھی اُتر آتے ہیں۔

باپ ۔ مَیں تم سے بحث کرنے نہیں آیا، نصیحت کرنے آیا ہوں۔

انور ۔ یہ نصیحت نہیں، اندھیرے میں کسی کے ہاتھ سے مشعل چھین لینے کی کوشش ہے۔

باپ ۔ تم اندھے ہو، تمہارے ہاتھ میں مشعل کا ہونا بھی بے سُود ہے۔

انور ۔ آپ کا تجزیہ غلط ہے، مَیں ٹوڈی نہیں ہوں۔

باپ ۔ میرے دِل میں اپنے لئے نفرت نہ پیدا کرو۔

انور ۔ قوم کے لئے ہر بڑی قربانی ادنیٰ قربانی ہے۔

باپ ۔ "زیادہ مشتعل ہو کر" خدا تمہیں غارت کر دے۔

انور ۔ خدا انصاف کا حامی ہے۔

باپ ۔ میں تمہیں اِس گھر سے نکال باہر کر دونگا۔

انور ۔ میں سمجھوں گا فرض کی پہلی سیڑھی پر میں نے قدم رکھا ہے۔

باپ ۔ فاقے کرو گے، در در بھیک مانگنے کی نوبت آجائے گی۔

انور ۔ میں فلسفۂ بھیک کے خلاف ہوں ابھی ابھی عرض کر چکا ہوں۔

باپ ۔ تم مصیبت سے نہیں ڈرتے؟

انور ۔ مصیبت اگر مجھ سے نہیں ڈرتی، تو میں اِتنا بزدل نہیں، کہ اپنے دشمن سے ڈروں۔ "تمام عمر میدانِ جنگ میں رہنا اعلیٰ نصیب ہے۔"

باپ ۔ تم اگر اپنی ضِد سے باز نہیں آتے، تو یہ گھر چھوڑ دو۔ چلے جاؤ ــــ سلمیٰ! تم ایسے شوہر کے ساتھ کیا برتاؤ کرو گی؟

سلمیٰ ۔ تمام عمر ساتھ دینے کا وعدہ میں بوقتِ نکاح کر چکی ہوں۔

باپ ۔ مطلب، تم بھی بہک گئیں۔

سلمیٰ ۔ چاچا جان! آپ جبر کر رہے ہیں۔

باپ۔ تم نے بھی مجھ سے دہوکہ کیا۔

سلمیٰ۔ مَیں سوچ رہی تھی، خفگی نہ پیدا ہو۔ لیکن یہ میری بھُول تھی۔ فرض کو ٹھکرانا گناہِ عظیم ہے۔ خاص کر تمام مسلم نوجوانوں کا فرض ہے، کہ وہ ایک جھنڈے تلے جمع ہو جائیں۔ میرے شوہر جو کچھ کر رہے ہیں، ندائے وقت کے مطابق ہے۔ اور اِن کے نقشِ قدم پر چلنا میں اپنا فرض سمجھتی ہوں۔

باپ۔ اور مَیں جو کچھ کر رہا ہوں، سب نادرست ہے؟

انور۔ اپنا اپنا خیال ہے۔ بکنگھم محل آپ کو مبارک، کعبہ ہمیں مبارک!

باپ۔ تم دونوں یہ مکان چھوڑ دو۔ اور کسی ایسی جگہ چلے جاؤ۔ کہ دوبارہ مجھ کو تمہاری مکروہ صورتیں تک نہ دِکھیں۔

انور۔ ہم آپ کی رضامندی پر ضرور عمل کریں گے۔

"باپ غصّے میں چلا جاتا ہے۔"

پردہ

منظر سوم

آنور کا نیا گھر رات کا وقت

”یہ گھر شہر کے ایک ایسے محلّے میں ہے۔ جہاں غریب لوگ ہی بستے ہیں۔ آنور کے پاس اِس گھر میں صرف ایک ہی کمرہ ہے۔ جس میں آنور اور سلمیٰ آج کل مکین ہیں۔ باقی کے گھر میں دوسرے کرایہ دار ہیں۔ اِس کمرے میں دو بہت ہی معمولی قسم کی چارپائیاں اور ایک شکستہ سی میز اور دو تین پُرانی سی کُرسیاں

نظر آتی ہیں۔ کچھ سُوٹ کیس اور دوسرا کچھ ضروری سامان جو آنور باپ کا گھر چھوڑ کر ساتھ لایا تھا موجود ہے۔ لیکن اُس کی حالت بتا رہی ہے، کہ مدّت سے اُس کی طرف توجّہ نہیں کی گئی۔ ہر چیز خاک آلُود ہے۔ کونے میں ایک لکڑی کے اسٹول پر لالٹین جل رہی ہے۔ لالٹین کے قریب کرسی میں سلمیٰ کچھ کاغذات کا معائنہ کر رہی ہے۔ یہ احکام ہیں۔ پڑوسن داخل ہوتی ہے۔ یہ عورت بیوہ ہے۔ اس کے شوہر کو مرے ہوئے ایک سال گزرا ہے۔ اِس عورت کی عمر پینتیس ۳۵ اور چالیس ۴۰ کے لگ بھگ ہے۔"

پڑوسن۔ سلمیٰ! کب آئیں تم؟

سلمیٰ۔ لگ بھگ ڈیڑھ گھنٹہ ہُوا ہو گا۔

پڑوسن۔ تمہارے شوہر کب لوٹیں گے، اِس کی خبر ملی ہے؟

سلمیٰ۔ مجھے اُن کا اِنتظار نہیں ہے۔

پڑوسن۔ عجب ہو تم۔ اِتنی بڑی مہم پر گئے ہیں وہ، اور تمہیں اُن کی آمد کا ذرا اِشتیاق نہیں۔

سلمیٰ۔ مجھے مژدۂ بہار کا اِنتظار رہے۔ فتح کی خبر جس دِن ملیگی۔ اُسی دن میری جان میں جان آئے گی۔ مجھے سکون اُسی دِن میسّر ہوگا۔

پڑوسن۔ تم خود دِن بھر کہاں رہتی ہو؟

سلمیٰ۔ فوجیوں کی دیکھ بھال میں۔

پڑوسن۔ کھانا کہاں کھاتی ہو؟

سلمیٰ۔ فوجیوں کے ہمراہ۔

پڑوسن۔ کیا؟

سلمیٰ۔ اکثر خشک روٹی۔

پڑوسن۔ ارے میرے اللہ! اِتنا ظلم کر رہی ہو تم اپنی جان پر؟

سلمیٰ۔ سکونِ قلب ادائیگی فرض میں ہے۔ لُطفِ عشرت میں نہیں جفاکشی اور محنت میں ہے۔

پڑوسن ارے میرے اللہ! تم عورت ہو کر ایسی باتیں کر رہی ہو!

سلمیٰ۔ ہمیں اپنی کہن سالہ بہنوں کی ذہنیّت کو بھی بدلنا ہے۔ اِس لئے کہ ہماری آئندہ نسلوں کو موجودہ نسلوں کی طرح بُزدل اور غلام نہیں ہونا ہے۔ اُنہیں شجاع اور آزاد ہونا ہے۔

پڑوسن۔ "منہ پر ہاتھ رکھ کے عجیب طرح سے ہنستی ہے۔" تم کیسی باتیں کرتی ہو؟

سلمیٰ۔ یہی لازم ہے۔

پڑوسن۔ بھلا یہ بھی کچھ بات ہوئی۔ ہمیں آزاد ہونا ہے، ہمیں غلام نہیں رہنا۔ ہمیں یہ ہونا ہے، ہمیں وہ ہونا ہے۔ ارے میرے اللہ، تم کُفر کی باتیں کر رہی ہو، ہوتا وہی ہے، جو خدا کو منظور ہو۔

سلمیٰ۔ ایک افیونی افیون کے نشے میں خود کو بھول کر جس طرح کسی گندے نالے میں گر پڑتا ہے۔ اور دُوسرے جب تک اُس کو باہر نہیں کھینچتے۔ خود اُٹھنے کا خیال نہیں کرتا اسیطرح تم بھی جہالت کے نشے میں چُور ہو کر غلامی کے گندے اور تعفّن خیز نالے میں گرے ہوئے ہو، اور بالکل ڈوبنے کو ہو۔ ہم تمہیں اِس نالے سے نکالنا چاہتے ہیں۔ ابھی کچھ ہوش تم میں باقی ہے ہم ہاتھ بڑھا رہے ہیں، اپنا ہاتھ ہمیں پکڑا دو۔ ہم تمہیں بلندی پر پہنچانا چاہتے ہیں۔ دوسری آزاد قوموں کے ہمدوش کر دینا چاہتے ہیں۔ اور خدا کو بھی یہی منظور ہے۔ وہ بھی آزاد قوموں کا دوست ہے۔ غلاموں سے اُسے بھی نفرت ہے۔ ورنہ تمہاری حالت ابتر نہ ہوتی۔ اور ابتر اسی لئے ہے۔ کہ خدا تمہارا

دوست نہیں ہے۔ اُسے اپنا دوست بنانا ہے، تو وہ جوہر پیدا کرو، ۔ اِنسان تو تمہیں حِقارت سے دیکھتے ہیں، اور خدا دوستی کی ڈینگیں مارتے ہو۔

پڑوسن۔ خدا ہی سب کچھ کرتا ہے۔ ابھی پِچھلے ہی سال بیٹھے بٹھائے میرے میاں گذر گئے، خدا کو منظور نہ ہوتا، تو یہ کیوں ہوتا۔ اوروں کی میاں ہیں سَو سَو سال جِیتے ہیں، انہیں کو جلدی مرجانا تھا؟ خدا بخشے، پچاس سال ہی تو عمر تھی اُن کی۔

سلمیٰ۔ موت زندگی کی زینت ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی، تو جِینا بار ہو جاتا۔ زندگی ایک اِنقلاب ہے، موت بھی ایک اِنقلاب ہے۔ دونوں لازمی امر ہیں۔ . . . اِنقلاب لازمی امر ہے۔ تمہاری عورتوں کو اس کی ضرورت ہے۔ تمہارے مردوں کو اِس کی ضرورت ہے۔ ہر بچے بُوڑھے کو اِس کی ضرورت ہے۔ خدا کرے یہ تمہارے گھروں میں آئے، خدا کرے یہ تمہاری بُری ذہنیتوں میں آئے۔ خدا کرے یہ آئے، اور آ کر تمہاری ہر بُرائی کو خوبی میں بدل دے۔ تمہاری پستی کو بلندی میں بدل دے، تمہاری بیکاری کو صنعت میں بدل دے۔ خدا کرے، یہ تمہارے محلّوں

میں آئے ۔ اور تمہارے آوارہ و نا اہل بچّوں کو اُڑا کر درس گاہوں میں لے جائے ۔ اور ہم سب کو بُت خانے سے اُڑا کر کعبے لے جائے ۔ جس منزل کی ہمیں تلاش ہے، اُس منزل تک ہمیں پہنچا دے ۔

پڑوسن ۔ لوگ کہتے ہیں قائدِ اعظم مسلمانوں کا دشمن ہے غیروں کا دوست ہے ۔

سلمیٰ ۔ یہ دشمن کا پروپیگنڈا ہے ۔ دشمن چاہتے ہیں ہمارا قافلہ بے قافلہ سالار رہے ۔ اور جس قافلے کا سالار نہ ہو، وہ اپنی منزل پر کبھی نہیں پہنچ سکتا ۔

پڑوسن ۔ مگر دشمن ہی تو نہیں کہتے، اپنے بہت سے مسلمان بھی یہی کہتے ہیں ۔

سلمیٰ ۔ وہ پاگل ہیں، دیوانے ہیں ۔ خدا اُنہیں غارت کر دے ۔ وہ جاہل اِتنا نہیں سمجھتے، کہ آزادی ہی ہماری زینت ہے، "آزادی ہر انسان کی زینت ہے ۔" میری دُعا ہے، خدا ایسے افراد کو غارت کر دے ۔ یا ہمیں ایسی توفیق دیدے، کہ ہم اُنہیں غارت کر دیں ۔

پڑوسن - ارے میرے اللہ!

سلمیٰ - ایسے افراد ہماری قوم کے جسم میں ناصُور ہیں، اُنہیں کاٹ کر جسم سے الگ کر دینا چاہیئے۔ یہ جاہل، کم فہم، کوتہ نظر ہمیں اپنی آزادی حاصل کرنے سے کیوں روکتے ہیں۔ ہمیں اپنی آزادی سے دوسروں کی غلامی مقصود نہیں۔ ہر قوم اپنی اپنی آزادی کے لئے لڑتی ہے۔ کوئی اپنی آزادی کے لئے لڑے ہم کسی کو کب روکتے ہیں۔ ہم ہرگز کسی کی آزادی میں حائل نہیں ہیں۔ خدا وہ دِن نہ دکھائے، کہ ہم کسی کی آزادی میں حائل ہوں، مگر کوئی اپنی کمزوریوں کو نہ دیکھے، اور ہمیں پر بہتان لگائے، تو ہمارے پاس اِس دیوانگی کی دوا کچھ نہیں، جسے پانی پینا ہوتا ہے، وہ دوسروں کا منّہ نہیں تکتا۔

پڑوسن - تو اب کیا ہو گا؟

سلمیٰ - تو تاریخ بدل جائے گی۔ عہدِ گزشتہ کے سنہرے واقعات دُہرائے جائیں گے، سچ کی فتح اور جھوٹ کی شکست ہو گی۔

پڑوسن - مجھ غریب بیوہ کا کیا ہو گا؟

سلمیٰ - بہت سی دوسری عورتیں بھی بیوہ ہو جائیں گی۔ شائد مَیں بھی

بیوہ ہو جاؤں۔

پڑوسن۔ ارے میرے اللہ! تو پھر ہم سب کا کیا ہو گا؟

سلمیٰ۔ خوش نصیبوں کے سہرے ہمارے سر ہونگے۔

پڑوسن۔ ارے میرے اللہ! تم کِتنی سنگدل ہو۔ سر تاجوں کا مرنا خوش نصیبی سمجھتی ہو۔

سلمیٰ۔ اِس راہ میں قائدِ اعظم سے لیکر ادنیٰ سپاہی تک کی جان کوڑیوں کے مول بِکنی چاہیئے۔ اگر یہی وقت کی مانگ ہو۔

پڑوسن۔ اور اگر کوئی نہ بچا، تو پھر کیا ہو گا؟

سلمیٰ۔ ایک غلام قوم کے ہونے سے اُس کا نہ ہونا ہی اچھا ہے۔ ہم کلنک کا ٹیکہ ہیں۔ حد یہ ہے۔ کہ ہم خدا کی توہین ہیں۔

پڑوسن۔ تمہیں اپنے شوہر سے ذرا محبّت نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے۔

سلمیٰ۔ مجھے اُن سے بھی محبّت ہے، لیکن اُن سے بڑھ کر اُن کے اور اپنے فرض سے محبّت ہے۔

پڑوسن۔ تمہاری شادی کب ہوئی تھی؟

سلمیٰ۔ دو سال ہوئے۔

پڑوسن۔ تمہاری جوانی — تمہارا سہاگ۔

سلمیٰ ۔ قرآن پر دونوں کو نچھاور کر چکی ہوں ۔ "خاموشی"

پڑوسن ۔ "ٹھنڈی سانس لیکر" اللہ مجھے بھی جنّت لے جائے ۔

سلمیٰ ۔ موجودہ ماحول دوزخ ہی کے برابر ہے ۔ خدا ہمیں بھی اس دوزخ سے لیجائے ۔

پڑوسن ۔ اصل بات تو مَیں کرنا بھول ہی گئی ۔ مَیں آئی تھی تمہیں کچھ گڑ دینے، میرے دیور کی کھیتی سے آیا ہے ۔ صبح اِس کا شربت بنا کر پی ڈالنا ۔

"پڑوسن گڑ کی پوٹلی بڑھاتی ہے ۔ سلمیٰ اُسے بہت محبّت کے ساتھ لے لیتی ہے ۔"

سلمیٰ ۔ بہت بہت شکریہ ۔

"دروازے پر کھٹ کھٹ ہوتی ہے ۔ سلمیٰ کی توجّہ دروازہ کی طرف !"

سلمیٰ ۔ کون ہے ؟

آواز ۔ مَیں ہوں سلمیٰ آسکتا ہوں ؟

سلمیٰ ۔ تشریف لائیے ۔

"انور کا باپ داخل ہوتا ہے ۔"

سلمیٰ۔ السلام علیکم!

باپ۔ جیتی رہو۔

"پڑوسن بغلّ مارتی ہوئی چلی جاتی ہے۔"

سلمیٰ۔ ہمارا پتہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟

باپ۔ کِسطرح معلوم ہو گیا۔ انور کی کیا خبر ہے۔ وہ کہاں ہے؟

سلمیٰ۔ اپنا فرض انجام دے رہے ہیں۔

باپ۔ کِس جگہ؟

سلمیٰ۔ سچ اور جھوٹ کی سرحد پر، جہاں اِن دونوں میں جنگ چھڑی ہوئی ہے۔

"انور کا باپ گہری سوچ میں پڑ جاتا ہے۔ کچھ دیر سکتہ طاری رہتا ہے۔ اس کے بعد۔"

باپ۔ خدا اُس کو نیک راہ پر لائے۔

سلمیٰ۔ آپ میرے جذبات کی توہین کر رہے ہیں۔

باپ۔ سلمیٰ! تم لوگ بہک گئے ہو، اِس کا نتیجہ کیا ہو گا؟

سلمیٰ۔ میرے شوہر قابلِ رشک ہیں۔ ایسی اولاد نعمت کے برابر ہے۔

باپ۔ مَیں تمہارے پاس اِس لئے آیا ہوں، کہ تمہیں بھٹکنے سے بچاؤں؛ یہ گھر، یہ ماحول، یہاں کِس طرح تم لوگ زندگی بسر کروگے؟ اور مجھسے بحث کرنے کی ذرا بھی ضرورت نہیں۔

سلمیٰ۔ آپ حق سے دُور بھاگنے کی کوشش کیوں کر رہے ہیں؟

باپ۔ مَیں بحث کا عادی نہیں ہوں۔ تمہارا بزرگ ہوں۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں، لفظ بہ لفظ سنو، اور اُس پر عمل کرو۔

سلمیٰ۔ مَیں اظہارِ افسوس کے سوا کچھ نہیں کر سکتی۔

باپ۔ ایسے ماحول میں تم کھپ سکتی ہو۔ اِس محلّے کی غلاظت، جہالت ہوا کی کمی، خرابیٔ صحت کا ڈر، افلاس، الامان والحفیظ۔ تم خوف نہیں کھاتیں اِن چیزوں سے؟

سلمیٰ۔ آپ نے بحث کرنے سے مجھے روکا ہے۔

باپ۔ یہ امر بحث طلب نہیں۔ دیدہ دانستہ بات ہے۔ آرام و آسائش کو ٹھکرانا کفرانِ نعمت نہیں؟

سلمیٰ۔ کھلونوں کی یاد دلاکر مجھکو بہکانے کی سعی رائیگاں ثابت ہوگی۔

باپ۔ تم نادان ہو، تم کو یہ سوچنا چاہیئے، کہ تم کِس کی بہو ہو۔ مَیں

خطاب یافتہ ہوں۔ سوسائٹی میں میری قدر و منزلت ہے۔ یہ باعثِ فخر ہونا چاہیئے تم لوگوں کے لئے۔

سلمیٰ۔ جواب میرے ہونٹ کی نوک تک آ آ کے رُک رہا ہے۔

باپ۔ تم ہی جواب دو گی، کہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔

سلمیٰ۔ آپ بزرگ ہیں، میں آپ کو رنجیدہ نہیں کرنا چاہتی۔

باپ۔ اپنے گھر چلو، اور انور سے بھی کہو، کہ باز آجائے ایسی تحریکوں میں کیا رکھا ہے۔

سلمیٰ۔ آپ کی نگاہ کمزور ہے۔

باپ۔ مطلب؟

سلمیٰ۔ آپ کی آنکھوں پر انگریزی کارخانے کی عینک ہے۔ لیکن اس وقت آپ "نمبر دس ڈاؤننگ اسٹریٹ" میں نہیں، ایک مسلم محلے میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہاں تو سچ کہہ ڈالیئے، بھول کر ہی سچ کہہ ڈالیئے۔ بہرحال میری دعا ہے۔ خدا آپ کو برطانوی پارلیمنٹ کا ممبر کر دے۔ آ۔ خاں ایک بار مجلس بین الاقوام کے صدر رہ چکے ہیں۔ تو آپ کے لئے پارلیمنٹ کا ممبر ہونا کونسی بڑی بات ہے۔

باپ ۔ انگریز قوم سراہنے لائق ہے سلمیٰ! تم نادان ہو، نہیں سمجھتیں، یہ لوگ جمہوریت کے علمبردار ہیں۔

سلمیٰ ۔ بڑے اچھے سوداگر ہیں۔ اِس معاملے میں یہودیوں پر بھی اِنہیں بزرگی حاصل ہے۔ بہت عقلمند ہیں۔ برطانوی حکمتِ عملی جِس کا ثبوت ہے۔ بہت دُور اندیش ہیں۔ ورنہ ڈکٹیٹرز کا وجود تک نہ ہوتا۔ مسلمانوں کے بڑے دوست ہیں۔ ورنہ تُرکی آج آزاد ملک نہ ہوتا۔ بہت حرّیت پسند ہیں۔۔۔ ورنہ ہندوستان غلام نہ ہوتا۔ بہت منصف مزاج ہیں، ورنہ حبشہ کے اغوا پر ہی اعلانِ جنگ کر دیتے۔ ہر تعریف کے قابل ہیں۔ اِس لئے کہ انگریز ہیں، اشرف الاقوام ہیں۔ رضوان کی بھی یہی تمنّا ہے۔ کہ اگر وہ اِنسان ہو، تو انگریز ہو۔

باپ ۔ مَیں فضول تقریریں سُننے نہیں آیا۔

سلمیٰ ۔ مجھے ہِٹلر سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ . . . . .

. . . . !

باپ ۔ مَیں جاننا چاہتا ہوں۔ کہ میری ناراضگی کا تمہیں کچھ

خیال ہے۔

سلمیٰ۔ سچائی کا ساتھ دینا بہتوں کو دشمن کر لینے کے برابر ہے، اور یہ سوچکر ہی ہم نے قدم اُٹھایا ہے۔

باپ۔ مَیں اپنے حلقے میں کِسی کو منہ دکھانے لائق نہیں رہا۔ میرا بیٹا، اور باغی۔ بد دعائیں اُٹھ رہی ہیں میرے دِل سے، خدا کرے وہ زندہ واپس نہ آئے۔

سلمیٰ۔ ایسے لوگ مر کر بھی زندہ ہی رہتے ہیں۔

باپ۔ بغاوت کبھی زندہ نہیں رہ سکتی۔

سلمیٰ۔ آپ نے بحث کرنے سے مجھے روکا ہے۔

باپ۔ تو پھر مَیں اَور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ذرا سی ہمدردی جو میرے دِل میں رہ گئی تھی، آج وہ بھی نفرت میں بدل گئی ہے۔ خدا نہ کرے دوبارہ مَیں تم لوگوں کی شکل دیکھوں۔ تمہاری قبروں پر بھی مجھے خدا نہ لیجائے، تمہارے غموں کی گٹھڑی اِتنی بھاری تھی، کہ میری کمر جھکنے لگی تھی۔ پر آج سے مَیں خود کو ایک ایسا شجر سمجھوں گا۔ جِس میں کبھی پھل ہی نہ

لگا ہو . . . . . . !

"غصّے میں بڑبڑاتا ہُوا باپ چلا جاتا ہے۔"

——————— پردہ

منظرِ چہارم

رات کا وقت منظر سوم کی طرح

انور چارپائی میں پڑا ہے۔ سر میں پٹیاں بندھی ہیں ڈاڑھی بڑھی ہوئی ہے۔ کمرے میں اِس وقت کوئی نہیں، انور کی دائیں طرف لالٹین جل رہی ہے اُس کی آنکھیں بند ہیں، بائیں طرف اِسٹول پر پانی کا ایک گلاس اور دوا کی ایک بوتل پڑی ہے۔ انور کے

جسم پر ایک میلی سی چادر ہے۔ جو کہیں کہیں خون آلود ہے، کبھی کبھی انور آنکھیں کھولتا ہے اور دروازے کی طرف دیکھ لیتا ہے۔ انور کے ہونٹوں پر شروع سے آخر تک ہلکا سا تبسم رہتا ہے۔ انور کی آنکھیں جب کھلتی ہیں، تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر نظر ایک ایسا افسانہ ہے، جس کو پڑھنے سے طبیعت میں جوش پیدا ہو جائے ـــــ!

باہر سے روز کی طرح آج شہری ہنگاموں کی آوازیں نہیں آ رہیں۔ ہر ہنگامہ، ہر ہل چل مفقود ہے۔ بالکل سناٹا طاری ہے۔ کبھی کبھی دور دور سے دبی ہوئی الم انگیز رونے کی آوازیں آ جاتی ہیں۔ بچّوں اور عورتوں کی آوازیں۔ اور پھر سکتہ طاری ہو جاتا ہے منظر یہ بتاتا ہے، دنیا موت کا ایک خاموش صحرا ہے، جس کو ہنگامہ ہائے زندگی سے کبھی واسطہ نہیں پڑا۔

دروازہ کھلنے کی آواز آتی ہے۔ ایک کواڑ آہستہ سے کھلتا ہے۔ اور ڈاکٹر عارف سفید جبہ پہنے ہوئے داخل

ہوتا ہے۔ عارف کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک بیگ ہے۔ جسم، چہرہ اور بیگ تینوں کچھ کچھ خاک آلود ہیں ——!

ڈاکٹر عارف کی عمر ۲۵، ۳۰ کے لگ بھگ ہے۔ شکیل وجمیل آدمی ہے۔ چہرہ تدبّر اور اُلوالعزمی کا مظہر ہے۔ کمرے میں دو قدم چلنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے کوئی بانکا سپاہی چل رہا ہو۔

ڈاکٹر ایک کرسی آہستہ سے کھینچکر انوؔر کے قریب بیٹھتا ہے —— اور نبض کا معائنہ کرنے لگتا ہے، انوؔر دھیرے دھیرے آنکھیں کھولتا ہے۔"

انور۔ "بہت دھیمی آواز میں"۔ عارف!

عارف۔ خدا تمہیں صحت بخشے!

انور۔ میرے کامریڈز!

عارف۔ عمل میں سب کھوئے ہوئے ہیں۔

"انورؔ آنکھیں بند کر لیتا ہے۔"

"پھر سناٹا طاری ہو جاتا ہے۔ عارف بہت آہستگی

کے ساتھ بیگ کھول کر انجکشن کا سامان نکالتا ہے۔"

میز پر تیار رہے۔

"پھر دروازہ کھُلنے کی آواز آتی ہے۔ سلمیٰ داخل ہو کر آہستہ سے دروازہ بھیڑ دیتی ہے ـــــ عارف انجکشن سے فارغ ہو کر سلمیٰ کے قریب آتا ہے۔ سلمیٰ کے ہاتھ میں اس وقت کچھ کاغذات ہیں۔ اور نہایت سُرعت کے ساتھ وہ اُن پر نظر دوڑا رہی ہے۔

عارف۔ "بہت دھیمی آواز میں" مَیں آپ سے کچھ کہہ ڈالنا چاہتا ہوں۔

سلمیٰ۔ "ڈاکٹر کو ایک بار دیکھ کر انور پر نگاہ جماتی ہے۔" مَیں جانتی ہوں۔

عارف۔ آپ کو ضرور صدمہ ہوگا۔

سلمیٰ۔ میرا دل ملائم و ابریشمی بچھونوں میں سونے والی نازک اندام خواتین کے دلوں سے جداگانہ ہے۔ مَیں وہ عورت نہیں قوم پر بار ثابت ہو۔ مجھے اپنی خوبصورت اور نازک کلائیوں کا تحفظ مقصود نہیں۔

"عارف کی آنکھوں میں آنسوؤں کی کچھ کچھ جھلک ہے

جیسے وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں چھپانے کی سعی کر رہا ہے ---!“

عارف ۔ میری دعا ہے، خدا انور کو زندہ رہنے دے۔

سلمیٰ ۔ میں آپ کی بہت مشکور ہوں۔

عارف ۔ خدا حافظ! سحر کے وقت دوبارہ میں پرسش کے لئے آؤں گا۔

”عارف جلدی سے اپنا بیگ اُٹھا کر چلا جاتا ہے۔ سلمیٰ کاغذات دوسری چارپائی پر رکھکر انور کے پاس آتی ہے بہت آہستگی سے اُس کی نبض دیکھنے لگتی ہے۔ انور آنکھیں کھولتا ہے۔ لمحہ بھر کے لئے دونوں ایک دوسرے کو تکتے ہیں۔ دونوں کے ہونٹوں پر تبسم!

انور اِشارہ کرتا ہے۔ سلمیٰ قریب کی کرسی پر بیٹھ جاتی ہے۔“

انور ۔ ”دھیمی آواز میں“ میری وجہ سے تمہارے فرائض میں خلل نہیں آنا چاہیئے۔ کچھ اور مجھ سے بہت زیادہ قیمتی ہے۔

سلمیٰ ۔ یقین رکھیئے۔

"لمحہ بھر کیلئے خاموشی"۔

انور۔ "سلمیٰ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر" کامریڈز کے نام میرا ایک پیام ہے۔

سلمیٰ۔ ضرور پہنچاؤں گی۔

انور۔ لیکن تم اُس مقامِ حیات و ممات تک پہنچ سکو گی؟

سلمیٰ۔ مَیں نے اِدارۂ عالیہ سے درخواست کی ہے۔ کہ مجھے اپنے شوہر کے باقی ماندہ فرائض انجام دینے کا حکم دیا جائے۔ وہ جگہ جو آپکے نہ ہونے سے خالی ہو چکی ہے۔ مجھے ملنی چاہیئے۔

انور۔ میرا پیام۔ اکثریت ہماری قوم کی دشمن ہے — قوم کا تحفّظ کامریڈز کا اوّلین فرض ہے — قائدِ اعظم کے نقشِ قدم پر نہ چلنے والے میری رُوح کو صدمہ پہنچائیں گے۔ قائدِ اعظم کے نقشِ قدم پر چلنے ہی میں ہمارا تحفّظ ہے —!

جس راہ میں ہم قدم رکھ چکے ہیں، اُسے طے ہی کرنا ہے۔ راہ کٹھن ضرور ہے لیکن اِستقلال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا ہو گا۔ جفاکشی کا جس طرح آجتک اُنہوں نے ثبوت دیا ہے۔ مجھے یقین ہے، کہ آئندہ بھی وہ اسی طرح اپنی منزل پر پہنچنے کو قدم بڑھاتے رہیں گے۔

دشمن تفریق پیدا کرنے کی سعی کریگا۔ اُس کا پروپیگنڈا اپنی پُوری طاقت سے ہمیں کم حوصلگی کی سمت لے جائیگا تمہیں بہکانے کی تدابیر کی جائیں گے۔ حکمتِ عملی کی نازک اندام پریاں بالکل عُریاں ہو کر رقص کرینگی۔ طرح طرح سے تم پر جادو کیئے جائیں گے۔ طرح طرح کے جھُوٹ سچ کے زرّین لباس پہنکر تمہارے سامنے آئیں گے۔

سیاسی نفیریاں بجیں گی، طرح طرح کے ہوشربا نغمے سنو گے لیکن کچھ نہ سُننا، کچھ نہ دیکھنا۔ جِس طرح آج کھوئے ہوئے ہو، اُسی طرح کھوئے ہوئے ہی رہنا۔ ایک دھن پر تمہاری رفتار قائم رہنا چاہیئے۔ آگے بڑھنا، کہ آگے جنّت ہے۔ پیچھے نہ ہٹنا کہ پیچھے دوزخ ہے۔

اِس دوزخ کے رہنے والے بدنیّت اور بدخواہ ہیں' ان کے شیریں تکلّم کی تہ میں تلخ ترین زہر ہے۔ ان کی پیار بھری نگاہوں کے باطن میں تمہارے لئے بہت پُرانی حقارت اور تذلیل پوشیدہ ہے۔

اِن کی آستینوں میں خوں آشام تلواریں مستور ہیں۔ اور

اِن تلواروں کی پیاس تمہارا لہو مانگ رہی ہے، تمہارے تہذیب و تمدّن کا لہو، تمہارے عقائد کا لہو ـــــ تمہارے سیاسی اِقتصادی اور معاشرتی مستقبل کا لہو۔

تمہیں اگر اپنے لہو کا پاس ہے، اپنی عظمت اور اپنے تہذیب و تمدّن کا پاس ہے۔ عہدِ ماضی کی بیشمار قُربانیوں کا پاس ہے، تو لمحہ بھر کیلئے بھی اپنے فرائض سے نہ چُوکنا۔

دشمن تم پر ظلم اور تباہی کے بم برسائیگا۔ بموں کی دہشت انگیز چیخ پکار سے ذرا نہ دہلنا تم بھی دوسروں کی طرح قوی و مضبوط ہو۔ تمہارے سالار بھی دوسروں کی طرح تمام فنون کے ماہر ہیں اُن کے احکام بجا لانا۔ کہ اُسی میں تمہارا عروج ہے۔ اور اُسی عروج میں تمہاری کامل آزادی ہے۔ اور اُسی کامل آزادی میں تمہارا بہتر مستقبل ہے۔

”انور دم توڑ دیتا ہے۔ سلمیٰ کے چہرے پر لمحہ بھر کے لئے بھی صدمہ اور غمگینی عیاں نہیں ہوتی۔ وہ چادر سے انور کا چہرہ ڈھانپ کر کاغذات اُٹھاتی ہے۔ اور لالٹین کے قریب بیٹھ کر پھر اُن پر غور کرنے

لگتی ہے۔ پڑوسن سہمی ہوئی داخل ہوتی ہے اور سلمیٰ کے پاس آکر رک جاتی ہے۔"

پڑوسن ۔"دھیمی آواز میں" اب ان کی کیا حالت ہے؟

سلمیٰ ۔"بدستور کاغذوں پر نگاہ جمائے" اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون ؕ

"پڑوسن پر یکایک سکتہ کا عالم طاری ہوجاتا ہے۔ اور وہ انور کی زیرِ چادر نعش پر نگاہیں جما لیتی ہے سلمیٰ کاغذات پر غور کر چکنے کے بعد اُٹھتی ہے۔ پڑوسن کی آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا سے بہہ رہے ہیں۔

سلمیٰ ۔ یہ وقت رونے کا نہیں۔

پڑوسن ۔ تمہارے دِل میں نام کو بھی حِس نہیں۔

سلمیٰ ۔ یہ وقت، وقتِ عمل ہے۔ اپنا فرض جب انجام دے لونگی۔ اور حیات نے ساتھ نہ چھوڑا تو لمحہ بھر کیلئے خدا سے اجازت مانگ کر اپنی محبّت کے عہدِ گزشتہ کو رو لونگی۔ آج مَیں رونا گناہ سمجھتی ہوں ایسے موقعوں پر رونا ہے ہی گناہ۔

پڑوسن ۔"دردناک آواز میں" ارے میرے اللہ! "اور روتی ہے"

"دروازہ کھلتا ہے ایک نوجوان فوجی لباس میں سرعت کیساتھ داخل ہوتا ہے۔"

فوجی نوجوان۔ سلمیٰ کس کا نام ہے؟

سلمیٰ۔ میں ہوں سلمیٰ کہئے۔

فوجی نوجوان یہ حکم ہے آپ کیلئے۔

”فوجی نوجوان سلمیٰ کو ایک بند لفافہ دیتا ہے سلمیٰ جلدی سے لفافہ کھولکر پڑھتی ہے فوجی نوجوان سلام کرتے ہوئے سرعت کیساتھ چلا جاتا ہے سلمیٰ حکمنامہ پڑھکر پڑوسن کے قریب آتی ہے۔“

سلمیٰ۔ میرے لئے حکم آچکا ہے۔ میں جا رہی ہوں، سحر کیوقت ڈاکٹر عارف آئینگے اُس وقت تک تم اگر یہاں رہو۔ تو میں تمہاری بہت ممنون ہونگی۔

پڑوسن۔ تم اپنے شوہر کی نعش کو یُوں چھوڑ کر کہاں جا رہی ہو؟

سلمیٰ۔ مجھے بہت جلد فوجی دفتر پہنچنا ہے اور باقی احکام جو میرے نام جاری ہونگے اُنکے مطابق عمل کرنا ہے

پڑوسن۔ نعش کو دفن کون کریگا؟

سلمیٰ۔ ڈاکٹر عارف! ”سلمیٰ تیار ہو کر جانے لگتی ہے، یکایک کچھ یاد آتا ہے طاقچے کی طرف آتی ہے گڑ کی پوٹلی اُٹھاتی ہے اور پھر دروازے کیطرف بڑھتی ہے۔“

سلمیٰ۔ فی امان اللہ! ”پڑوسن سلمیٰ کو گلے لگا کر بلند آواز میں روتی ہے سلمیٰ اُسے تھپک کر الگ کرتی ہے۔“

سلمیٰ۔ تمہاری محبّت کا احسان ساتھ لئے جا رہی ہوں، تمہارا گُڑ، فی امان اللہ!

”سلمیٰ چلی جاتی ہے، پڑوسن دروازے کے سہارے کھڑی ہو جاتی ہے۔ ایکبار دردناک آواز میں پکارتی ہے۔“

پڑوسن۔ سلمیٰ! —————— پردہ!

پاکستان اور ادارہ کی دوسری کتابوں کے جملہ حقوق محفوظ ہیں!

ضیاءؔ کی آئندہ تصانیف

زیرِ طبع

بالشویک:- اُردو ادب میں اپنی قسم کی پہلی کامیڈی
بالشویزم پر ایک جامع تنقید!

ایک سو سال بعد:- ضیاءؔ کا دوسرا شاہکار مذاحیہ ڈرامہ۔
ایک سو سال کے بعد کیا ہو گا؟
ایک انوکھا نظریہ!

پبلشرز
اعظم بک ہاؤس، لیڈی جمشید جی روڈ۔ ایمرل وِلا۔ ماہم۔ بمبئی ۱۶!

محمدی فائن آرٹ لیتھو ورکس بمبئی نمبر ۱۰

[illegible]

[illegible]

مترجمہ

ڈاکٹر [illegible]

ڈاکٹر [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

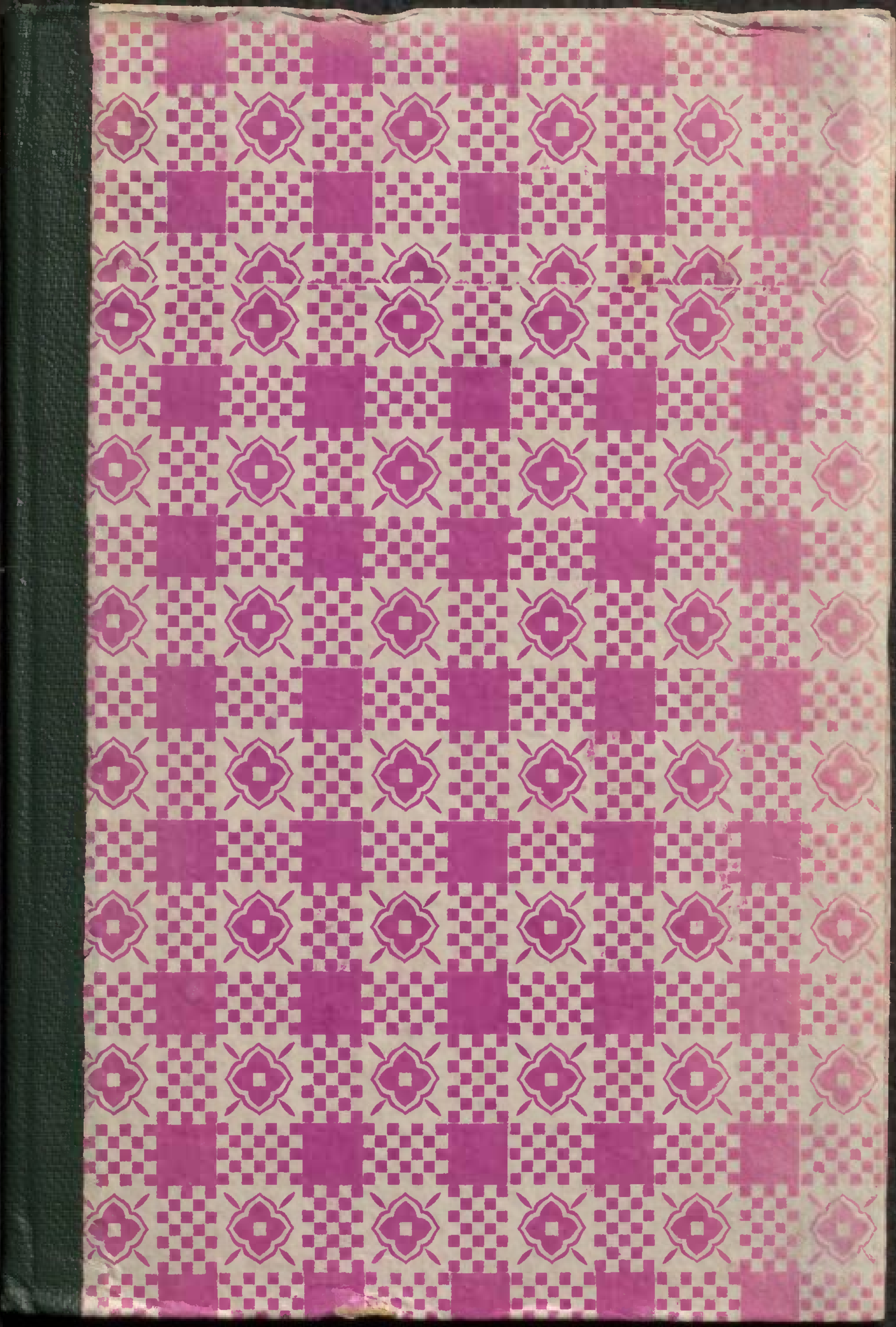[illegible]